قائدِ ملتؒ

سے متعلق

ایک ایمان افروز یادداشت

ابو منظور شیخ احمد

ناشر:- مکتبہ فاروقیہ (۲۷۷/A) آغاپورہ - حیدرآباد - (آندھرا)

طبع اول (۱۰۰۰) قیمت (۴ر)

مطبوعہ

مطبع ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

گزارش

ائدِ ملت مولوی محمد بہادر خاں مرحوم (بہادر یار جنگ) کی بصیرت افروز
ں شریک رہنے والے سینکڑوں اہلِ قلم حضرات میں سے معدودے چند ہی ایسے
ں نے قائدِ ملت کی زندگی کے مختلف گوشوں کو کھول کر انکی سبق آموز زندگی سے
ادہ کا موقع عطا فرمایا۔ انھیں میں سے مولوی شیخ احمد صاحب ایک بزرگ ہیں
ت کے قریب رہکر ان کے درسِ قرآن مجید سے مستفیض ہوتے رہے ہیں آپ نے
ضمون (ایمان افروز یادداشت) میں اپنے مشاہدات و تاثرات کا اظہار فرمایا ہے
صوف نے ماہر القادری صاحب کے ماہنامہ فاران میں شایع فرمایا ہے۔ جس کو دیکھ کر
ہوا کہ اس مضمون کو علیحدہ شایع کر کے عوام تک پہونچایا جائے نیز میرا مستقل
کہ قائدِ ملت مرحوم پر جس قدر مضامین لکھے جائیں یا سابق میں لکھے گئے
سب کو ایک مجموعے کی صورت میں شایع کروں لہٰذا اہلِ ذوق حضرات سے
ہے کہ قائد مرحوم کے حالات زندگی۔ انکی مسحور کن خطابت۔ قومی اصلاحی جدو جہد
یاسی خیالات نیز غیر متعصبانہ روش پر مضامین لکھ کر پتہ ذیل پر روانہ
و انشاء اللہ آئندہ طبع ہونے والے مجموعہ میں سب کو شایع کر دیا جائے گا۔

مرزا مظفر بیگ

پتہ

روقیہ ۶-۲۷۷/A آغا پورہ۔ حیدر آباد (آندھرا)

نواب بہادر یار جنگ مرحوم کا
آخری درسِ تفسیر

مولوی بہادر خاں حیدر آبادی (المعروف بہ بہادر یار جنگ) کی علمی و مذہبی خدمات میں ایک نمایاں اور نوعیت کے اعتبار سے ایک نہایت اہم خدمت اُن کا درسِ تفسیر تھا۔ مرحوم کی ابتدائی تعلیم و تربیت اس طرز پر ہوئی تھی کہ انھیں بچپن ہی سے قرآن کے ساتھ ایک گہرا قلبی لگاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ جس نے آگے چل کر انھیں علوم و معارفِ قرآنی کا ایک جیّد عالم اور اس کی اشاعت کا ایک پُر جوش مبلّغ بنا دیا۔ مرحوم کو اس سرائے فانی میں آئے ہوئے ایک ہفتہ ہی ہوا تھا کہ اُنکی والدہ کا انتقال ہو گیا اور وہ اپنی نانی کے زیرِ تربیت آ گئے اور چودہ سال تک انہی کے زیرِ تربیت رہے۔ اُن کی نانی صاحبہ ایک دین دار اور خدا ترس خاتون تھیں۔ انھوں نے اپنے نواسے پر مذہبی رنگ چڑھانے کی پوری پوری کوشش فرمائی اور کامیاب رہیں۔ وہ ادائے نماز اور تلاوتِ قرآن پاک کی پابندی کا خاص اہتمام کرتی تھیں۔ چنانچہ کسی دن مرحوم تلاوتِ قرآن کئے بغیر نانی کی خدمت میں جاتے اور سلام کرتے تو وہ نہ سلام کا جواب دیتیں نہ کوئی بات کرتیں۔ مرحوم پوچھتے تو فرماتیں کہ :-

"تم نے اللہ میاں سے آج باتیں نہیں کیں اس لئے نہ میں تم سے بات
کروں گی اور نہ تمہارا سلام لوں گی۔"

خود مرحوم جب مادری تربیت کی اہمیت کا ذکر فرماتے تو اپنا یہ واقعہ ضرور بیان کرتے اور کہتے کہ:۔

"میرے اندر جو کچھ ہے وہ اسی چودہ سال کی کمائی کا حاصل ہے"

اس کے بعد آپ نے حیدرآباد کے دو اساتذہ مولوی سعادت اللہ خاں صاحب (مدرس مدرسۂ دارالعلوم) اور مولوی سید اشرف شمسی صاحب (صاحب تفسیر شمسی) سے عربی ادب، تفسیر، حدیث، اور فقہ کی باضابطہ تعلیم کا آغاز کیا اور خصوصاً علامہ شمسی کی صحبت سے زیادہ مستفید ہوئے۔ مرحوم کی عمر چودہ سال کی تھی کہ ایک دن ان کے والد بزرگوار (نواب نصیب یار جنگ ثالث) انھیں حضرت علامہ کے پاس لے گئے۔ وہ مسجد سے نماز پڑھ کر لوٹ رہے تھے۔ راستہ میں نواب نصیب یار جنگ بہادر نے روک لیا اور بہادر خاں کو پیش کرنے کے بعد فرمایا کہ:۔

"اس خانہ زاد کو مذہبی تعلیم کا شوق ہے۔ یہ آپ کی خدمت میں
حاضر ہوا کرے گا"

حضرت علامہ نے ایک نظر بہادر خاں کو دیکھا اور فرمایا کہ:۔

"اچھی بات ہے۔ کل صبح یہیں اسی مقام پر آجانا"

دوسرے دن بہادر خاں موجود تھے حضرت علامہ نے ان کو وہیں مسجد کی نکڑ کے قریب زمین پر بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ یہ فوراً بیٹھ گئے۔ بچپن ہی سے بہت زیادہ جسیم تھے اس لئے دوزانو بیٹھنے میں تکلیف ہوتی تھی اور خاندانی جاگیردار ہونے کے باعث زمین پر اس طرح بیٹھنے میں عار ہونا چاہئے تھا لیکن انھوں نے کوئی شرم محسوس نہ کی اور استاد کے حکم کی فوراً تعمیل کر دی۔ متواتر تین چار روز تک یہی عمل

ہوتا رہا۔ بہادر خاں جاتے اور حضرت علامہ ان کو زمین پر بٹھا دیتے۔ جب کسی نے حضرت علامہ سے اس برتاؤ کا سبب پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ:۔

"میں بہادر خاں کا امتحان لے رہا تھا۔ چونکہ یہ نواب زادہ ہے
اس لئے میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس کے اندر فی الواقع علم کا
حقیقی ذوق موجود ہے یا نہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ یہ امتحان
میں کامیاب اترا اور میں نے محسوس کیا کہ اس کو مذہبی علم کی سچی
لگن لگی ہوئی ہے"

باضابطہ تعلیم کا یہ تعلق جلدی ہی ختم ہو گیا۔ لیکن آگے چل کر جو وسعتِ معلومات اُنھوں نے بہم پہنچائی وہ در اصل ان کے وسیع مطالعہ کا نتیجہ تھا۔ معمولاً روزانہ دو ڈھائی سو صفحات کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ والد کے انتقال کے بعد جب جاگیر کی ساری ذمہ داریاں اُن کے کاندھوں پر آپڑیں تو اس زمانہ میں بھی اُن کا مطالعہ نہ چھوٹا۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"جاگیر کے مقدمات کے سلسلہ میں میں جب وکلاء صاحبان کے پاس
جایا کرتا تو بگھی میں بیٹھے ہوئے کسی نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا کرتا"

ان کا کتب خانہ[۱] بہت وسیع تھا اور اس کا بڑا حصہ مختلف قدیم و جدید تفاسیر اور دیگر مذہبی کتب پر مشتمل تھا۔ ان کتابوں میں اکثر عربی زبان میں تھیں جن کا مطالعہ وہ پورے غور و تفحّص کے ساتھ کیا کرتے تھے چنانچہ مطالعہ کے نشانات اُن کی تقریباً ہر کتاب پر آج تک موجود ہیں۔ مرحوم کی عالمانہ حیثیت کی نسبت اُن کے بچپن کے ساتھی اور قریبی دوست ڈاکٹر رضی الدین صدیقی

---

[۱] مرحوم کی وفات کے بعد اس کتب خانہ کو ان کی بیگم صاحبہ نے "قائد ملت لائبریری" کے نام سے افادۂ عام کے لئے وقف کر دیا ہے۔

(سابق پروفیسر ریاضیات وطبیعیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن) نے اپنے ایک مضمون میں جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح اور کامل تعارف کے لئے ہر طرح کافی ہے۔ فرماتے ہیں :-

"مرحوم کی طالب علمانہ زندگی بہت جلد ختم ہوگئی اور وہ ابتدائی عمر میں ہی دنیا کے دھندوں میں پھنس گئے یہی وجہ ہے کہ وہ علمی اداروں کی باضابطہ تعلیم یا امتحانوں کی کامیابی کی سند نہیں رکھتے تھے۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ علم محض مدرسوں یا کالجوں میں حاصل نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ مکتب اور ملّا انسان کی صلاحیتوں کو جو اکتساب علم کے لئے فطرت کی طرف سے ودیعت کی جاتی ہیں نقصان پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ اقبال نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے جب وہ کہتے ہیں ؎

اے کہ در مدرسہ جوئی ادب و دانش و ذوق
نہ خرد بادہ کس از کارگہ شیشہ گراں

تاریخ عالم میں اور خصوصًا مشرق کی تاریخ میں اکثر علماء نے باضابطہ مدرسوں میں نہیں بلکہ محض اپنی ذاتی کوششوں سے علم و فن میں کمال حاصل کیا۔ مولوی محمد بہادر خاں مرحوم کا شمار بھی اسی گروہ میں ہوتا ہے انھوں نے اپنے فطری ذوق علم کی تشفی خود اپنے طور پر مطالعہ سے کی اور علم کی جن شاخوں سے اُن کو دلچسپی تھی اُن میں اس قدر ریاضت حاصل کیا کہ باضابطہ اسناد رکھنے والوں سے بدرجہا آگے بڑھ گئے تھے۔ وہ مطالعہ کرتے تھے، مشاہیر علماء سے بحث کرتے تھے۔ اور خود غور و فکر کرنے کے عادی تھے۔ اکتساب علم کے بھی تین ضروری اجزاء ہیں اور مرحوم ان تینوں سے بہرہ ور تھے۔ ان کا ذاتی کتب خانہ ملک کے معدودے

چند کتب خانوں میں سے ہے جن میں مختلف علوم و فنون کی معیاری اور نایاب کتابیں موجود ہیں۔ اُنھوں نے ان میں سے اکثر کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور ان کتابوں پر جا بجا اُن کے مطالعہ کے نشانات موجود ہیں۔ بلاد اسلامیہ کے سفر میں اور ہندوستان کے متعدد دوروں میں اُن کی ملاقات بڑے بڑے علماء سے ہوئی اور اپنی ذکاوت اور ذہن رسا کی بدولت وہ ان علماء کی گفتگو و بحث مباحثہ سے بہترین طور پر استفادہ کر سکے، اُن کی قوت فکر کا اظہار اُن کی تقریروں اور علمی صحبتوں میں اچھی طرح ہوتا تھا۔ غرض ایک عالم کے لئے جتنی ضروری صفات ہیں وہ ان میں کافی موجود تھیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اُن کے مختلف النوع کمالات میں ان کے علمی کمالات کو بھی جگہ دینا لازمی ہے دنیائے اردو کے تو وہ سب سے بڑے خطیب تھے اس لئے اُن کی اُردو دانی کا تذکرہ کرنا تحصیل حاصل ہے۔ عربی اور فارسی میں بھی اُنکی مہارت مسلّمہ تھی اور تفسیر کا انھوں نے خاص طور پر مطالعہ کیا تھا اور روزانہ فجر کی نماز کے بعد مسجد میں تفسیر کا درس دیا کرتے تھے۔"

("مولوی بہادر خاں مرحوم و مغفور ایک عالم کی حیثیت سے" مندرجہ اخبار "تنظیم" حیدرآباد دکن۔ (قائد ملت نمبر)

مرحوم کو عربی میں جس درجہ کی مہارت حاصل تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب آپ بلاد اسلامیہ کی سیاحت کے سلسلہ میں مصر پہنچے تو نحاس پاشا سے ملنے گئے۔ چونکہ گفتگو چند خاص اہم مسائل پر ہونے والی تھی اس لئے گمان ہوا کہ شاید ٹھیک طور پر عربی زبان میں اظہار خیال نہ کر سکیں گے اس لئے ایک قادیانی مبلغ کو جو وہاں موجود تھے ترجمان کی حیثیت سے ساتھ لے گئے مرحوم فرماتے تھے کہ :-

"چند منٹ تک گفتگو ہوتی رہی۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے ترجمان صاحب میری ٹھیک ترجمانی نہیں کر رہے ہیں۔ اس لئے میں نے انکو درمیان سے ہٹا دیا اور نحاس پاشا سے کہا کہ میں عجمی ہوں۔ اگر جمع کو واحد۔ واحد کو تثنیہ اور مذکر کو مؤنث کہہ جاؤں تو معاف فرمائیے اور مطلب سمجھ لیجئے اس کے بعد راست گفتگو شروع ہوئی اور بہت دیر تک ہوتی رہی۔

دوسرے دن میں نے دیکھا کہ مصر کے اچھے اخباروں میں میری تصویر چھپ چکی ہے اور ایک تعارفی نوٹ لکھا گیا ہے جس کا عنوان تھا "حیدرآباد کا ایک نواب جو عربی فصاح میں گفتگو کرتا ہے"۔

مرحوم محض گفتگو نہیں بلکہ عربی میں پوری فصاحت اور روانی کے ساتھ تقریر بھی کر سکتے تھے۔ چنانچہ اُن کے انتقال سے ڈیڑھ سال قبل مصر کے قونصل جنرل حیدرآباد آئے ہوئے تھے تو مرحوم نے بھی اُن کے اعزاز میں ایک عصرانہ ترتیب دیا تھا مدعوئین میں وزیر اعظم اور دیگر حکام کے علاوہ شہر کے تمام علماء و مشائخ بھی تھے۔ اس موقع پر مرحوم نے عربی میں ایک پُر جوش اور اثر آفریں تقریر فرمائی تو سب لوگ متحیر ہو گئے اور خود قونصل جب جوابی تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ:۔

"ہندوستان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو عربی میں اس بے تکلفی اور فصاحت کے ساتھ تقریر کر سکتے ہیں"۔

جن لوگوں نے مرحوم کی یہ تقریر سنی تھی اُن کا بیان ہے کہ اُن کی اردو تقاریر میں جو روانی اور تاثیر پائی جاتی تھی بالکل وہی کیفیت انکی اس تقریر میں موجود تھی۔

مرحوم نے فن تجوید و قرأت کو باضابطہ قاری روشن علی صاحب سے حاصل کیا تھا اور اس فن سے اس درجہ واقف تھے کہ اکثر قاری مرحوم سے داد حاصل کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے تھے۔ پھر اس فن سے دلچسپی بھی اس قدر تھی کہ ہر سال شب قدر میں قرأت کا

جلسہ اپنی ڈیوڑھی میں منعقد کیا کرتے جس میں ملک کے بڑے بڑے اہلِ فن مدعو کئے جاتے اور وہ قرأت سبع و فن تجوید کے سلسلہ میں اپنے اپنے کمال کا مظاہرہ کرتے۔ خود مرحوم اس میں حصہ لیتے اور قرأت خوانی کا یہ سلسلہ صبح تک جاری رہتا۔

مرحوم اگرچہ سیاسیات حاضرہ میں دخیل ہو کر سیاسی پلیٹ فارم پر نمودار ہوئے تھے۔ لیکن قرآن کی تعلیم و تبلیغ کو اُنھوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی فراموش نہ کیا۔ مجلس اتحاد المسلمین کے جلسۂ سالانہ منعقدہ سنہ ۱۳۶۰ھ میں خطبۂ صدارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:۔

یہ بات سب سے زیادہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کوئی قوم زندگی کے اہم مراحل میں اپنی بنیادوں کے استحکام کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ہر زمانہ قوموں کی تعمیر کے لئے چند لوازمات چاہتا ہے اور ان لوازمات کے بغیر اگر کوئی قدم اٹھایا بھی گیا تو وہ استوار اور مضبوط نہیں ہو سکتا۔ خود مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ اُن کی انقلابی ترقیاں جن کو دیکھ کر دُنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔ چند خصوصیات کی سرمایہ دار تھیں۔ ان میں سب سے پہلی چیز اپنی حیات اجتماعی کے مقاصد و منشاء کی نسبت مسلمانوں کا وہ صحیح تصور و ایقان تھا جو قرآن نے اُن میں پیدا کر دیا تھا۔ انسان کا تصور و ایقان ہی اس کے عمل کی اصل اور بنیاد ہے اور وہ بلندئ تخیل اور رفعت تصور جو قرآن نے مسلمان کو عطا کیا۔ اسکی ذلتوں کو عزت سے اور محکومیوں کو حکومت سے بدلنے کا باعث ہوا۔ قرآنی تعلیمات کے سوا اور کونسی چیز تھی جس نے ایک بدوی کو تاج خسرو اور تخت کسریٰ کا مستحق بنا دیا تھا

مجلس اتحاد المسلمین ہر اس سیاست کو جو قرآن کے منبع فیض سے سیراب نہیں ہے، سراب سے زیادہ حیثیت نہیں دیتی

یہی وجہ ہے کہ انتہائی تنظیمی وسعت کے بعد بھی اس نے جو دستور اپنے لئے مرتب کیا۔ اس میں اپنے وجود کی پہلی غرض اعتصام بحبل اللہ قرار دی زمانہ نے ممکن ہے راستوں میں کچھ تبدیلی کر دی ہو۔ لیکن منزل اگر قرآنی منزل نہیں ہے تو وہ ذلت وخواری کے جہنم کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج میں آپ کے منتخب کردہ خادم اور اس مجلس کے صدر کی حیثیت میں آپ سب ارکان مجلس اتحاد المسلمین پر عموماً اور ارکان عاملہ وشوریٰ مملکتی مجلس، صدر صاحبان وعہدہ داران مجالس ضلع وابتدائی اور مبلغین مجلس اتحاد المسلمین پر خصوصاً رکنیت مجلس کی شرط اولین کے طور پر یہ پابندی عاید کرتا ہوں کہ ہم میں سے ہر ایک عمل کی نیت سے اور معنی ومطلب کو سمجھ کر قرآن مجید کی کم از کم تین آیتیں روز تلاوت کیا کرے اور اس پر نہ صرف اپنے خدا کو گواہ ٹھہرائے بلکہ ماہواری تختۂ رپورٹ میں جو مملکتی مجلس کو روانہ کیا جاتا ہے بہ صداقت دل اطلاع دے کہ وہ کس حد تک اس شرط کا پابند رہا ہے۔ میری اس عمل پر مزاولت نے ثابت کیا ہے اور انشاء اللہ بہت جلد آپ پر ثابت ہوگا کہ قرآن کس طرح آپ پر فلاح وصلاح انفرادی واجتماعی کے نئے نئے دروازے کھولتا ہے۔ ہماری بدقسمتی سے ہم میں بہت بڑی جماعت اُن لوگوں کی ہے جو بے علمی کے باعث قرآن اور اس کے تراجم سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ اُن کے لئے ہماری ہر شاخ کا فرض ہے کہ آبادی کی کسی مسجد میں، کسی پڑھے لکھے مسلمان کے ذریعہ قرآن اور اس کا کوئی مستند ترجمہ سُنانے کا انتظام کرے۔ میری اور مملکتی مجلس کی تنقیحوں میں آیندہ سب سے پہلا سوال یہ ہوگا کہ اس شرط کی کس حد تک تکمیل کی جا رہی ہے میں اس سلسلہ میں

اُن مساعی کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا جو مولوی عبدالرحیم صاحب واعظ سرکارِ عالی کی طرف سے جاری ہیں۔ اُن کے تفسیری رسالے اس مقصد کی تکمیل کے لئے بہت مفید ثابت ہو سکتے ہیں کیا سررشتۂ امور مذہبی سے میری یہ خواہش بیجا ہوگی کہ وہ تمام آئمہ مساجد پر نماز فجر یا مغرب کے بعد ان رسالوں کو سبقاً سبقاً مصلّیوں کو پڑھ کر سنانا حکماً لازمی قرار دے دے۔

اسی طرح انتقال سے صرف ایک ماہ پہلے مجلس کے سالانہ اجلاس منعقدہ شہر ورنگل میں آپ نے اپنے صدارتی خطبہ کو ان الفاظ پر ختم کیا تھا:۔

"آپ چاہے مجھے رجعت پسند کہیں مگر میں آپ کے موجودہ مسائل کا واحد علاج آپ کے مسلمان ہو جانے میں سمجھتا ہوں۔ مسلمان ہو جانے سے میری مراد یہ ہے کہ آپ کا زاویۂ فکر اور نقطۂ نظر اسلامی ہو جائے آپ حالات کا اسلامی نظر سے مطالعہ کرنے لگیں اور معاملات کو اسلامی فکر سے سوچنے لگیں۔ اس کیفیت کے پیدا کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ قرآن حمید کی بامعنی تلاوت کو اپنا وظیفۂ حیات بنایئے اور روز سونے سے پہلے سوچیے کہ آپ آج اسلام سے کس قدر قریب یا دور ہو رہے ہیں۔ میری دعا ہے کہ خدا ہم سب کو صراطِ مستقیم کی طرف رہبری فرمائے اور اس پر ثابت قدم رکھے۔ آمین!"

قرآن حمید کی بامعنی تلاوت کو وظیفۂ حیات بنانے کا یہی شدید جذبہ تھا جس کے زیر اثر مرحوم نے صرف ذاتی مطالعہ پر اکتفا نہ کیا بلکہ باقاعدہ درس تفسیر کا آغاز کر دیا یہ درس روزانہ بعد نماز فجر اپنے محلہ کی چھوٹی سی مسجد میں (جو ڈیوڑھی کے عقب میں واقع ہے) ایک گھنٹہ تک پابندی کے ساتھ دیا کرتے تھے۔ یہ درس صرف انہی دنوں میں ناغہ ہوتا جن میں وہ حیدرآباد سے باہر دورہ پر جایا کرتے تھے ورنہ وہ کڑکڑاتے جاڑے

پریشان کن گرمیوں اور موسلا دھار بارش تینوں موسموں میں یہ عیش کا پروردہ اور دولت کا آفریدہ نواب روزانہ مسجد میں چٹائی پر بیٹھ کر اپنے آقا کے کلام کو سمجھایا کرتا۔ حتیٰ کہ طبیعت ناساز بھی ہو جاتی تب بھی یہ شغل جاری رہتا۔ مرحوم نے لوگوں سے یہ کہہ رکھا تھا کہ اگر میں کبھی تساہل برتوں تو آپ کو حق حاصل ہے کہ مجھے گھر سے کھینچ نکالیں۔
آخری تین چار برسوں میں مسلسل جسمانی مشقتوں اور دماغی کاوشوں اور قلبی تاثرات نے مرحوم کی صحت کو بہت زیادہ خراب کر دیا تھا اور نزلے اور گلے کے مرض نے مستقل صورت اختیار کر لی تھی۔ حتیٰ کہ سردیوں میں صبح دس بجے تک بلند آواز سے بات بھی نہ کر سکتے تھے اس کے باوجود درس تفسیر میں ہرج واقع نہ ہونے دیا۔ لوگوں کو اپنے سے بہت قریب کر لیتے اور انتہائی پست آواز میں چشم و ابرو کو وضاحت کا آلہ بناتے ہوئے تفہیم و تشریح فرمایا کرتے۔ آپ اپنی بے شمار خدمات میں سب سے زیادہ اہم اور اشرف خدمت اسی خدمت کو خیال فرماتے تھے۔ کہتے تھے :۔

"مجھے اگر کسی عمل کے صلے میں بخشش کی توقع ہے تو وہ یہی قرآن کی خدمت ہے۔"

ایک مرتبہ درس ختم ہونے کے بعد حسب عادت دعائے ماثورہ (اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنَا بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْم) پڑھی۔ نہ معلوم کیا خیال آیا کہ رقت طاری ہو گیا۔ فرمانے لگے۔

"خانہ خدا میں بیٹھے، کتاب اللہ کو ہاتھ میں لئے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری تقریروں، جلسہ آرائیوں اور ساری ہماہمی کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ لوگ قرآن کو سمجھنے لگیں اور اس پر عمل پیرا ہو جائیں اگر مسلمانوں نے اسکو چھوڑ دیا تو وہ کہیں کے نہ رہیں گے۔ یہی اُنکی پناہ گاہ ہے۔"

اسی لئے ان کو شکایت تھی کہ جو لوگ میری تقریروں کو ایسی دلبستگی سے سننے کے عادی ہیں وہ تفسیر میں کیوں شرکت نہیں کرتے۔ حالانکہ میری یہ گفتگو ہر تقریر سے اچھی اور مفید ہوتی ہے اور اسی وجہ سے یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ :۔

"اب میں ان جلسوں وغیرہ کا قائل نہیں ہوں۔ بس یہی کرو کہ ہر شخص انفرادی کوشش کرے، یہاں پندرہ بیس آدمی اللہ رسولؐ کی باتیں سنتے ہیں۔ اب یہ لوگ جا کر اپنے گھر میں بیان کریں۔ اس طرح پورے شہر میں تبلیغ ہو جاتی ہے اور یہی چیز زیادہ مفید ہے۔"

مرحوم اور تقریروں کے لئے تو شاید ہی کبھی تیاری کرتے تھے۔ لیکن تفسیر بڑے اہتمام سے سناتے تھے رات میں سونے سے قبل ایک گھنٹہ یا صبح نماز فجر[1] سے پہلے جس آیت کی تفسیر بیان کرنی ہوتی اس سے متعلق مختلف نئی پرانی تفسیریں دیکھ ڈالتے تھے اور ساتھ ہی مختلف ترجمے ہمیشہ نظر رکھتے تھے۔

جب مرحوم نے یہ کام شروع کیا تو ساتھیوں نے اور ایک آدھ بڑی طاقت نے یہ باور کرایا کہ یہ تمہارا مقام نہیں۔ خود بھی فرماتے تھے کہ "یہ میرا مقام نہیں"۔ لیکن دونوں کے کہنے میں مشرق و مغرب کا فرق تھا وہ منع کرتے تھے اس لئے کہ چٹائی پر بیٹھنا اور عوام سے اس طرح ملنا "جاگیرداریت" کے خلاف ہے اور یہ فرماتے تھے اس نقطۂ نظر سے کہ مفسّر کا مقام بہت بلند ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بارہا فرمایا کہ :۔

میں تفسیر بیان نہیں کرتا بلکہ تفسیر سناتا ہوں۔ میں تفاسیر دیکھنے کا عادی ہوں اور یاد رکھنے کے لئے روزانہ صبح پڑھی ہوئی چیزوں پر غور

---

[1] مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی کتاب "تدبر قرآن" میں فرمایا ہے کہ قرآن کے تدبر و مطالعہ کا بہترین وقت تہجد کا وقت ہے۔

کرلیا کرتا ہوں۔ خیال آیا کہ اگر یہی کام مسجد میں ہو اور بجائے خاموش سوچنے کے باآواز[1] بلند کہتا جاؤں تو دوسروں کو بھی فائدہ پہنچے گا۔

بس اسی وجہ سے یہاں بیٹھ کر کہنا شروع کردیا ہے"۔

ان الفاظ میں فی الواقع کوئی تصنع نہیں تھا ورنہ پندرہ بیس آدمیوں کو ایک گھنٹہ تک تفسیر نہ سنائی جاتی۔ انھیں کبھی شہر کا تفسیر کی تعداد کا خیال نہ آیا۔ بعض دفعہ تو ایسا ہوا کہ صرف دو ہی سامعین رہے۔ لیکن مرحوم برابر تفسیر سناتے رہے اور اسی طرح مطالب بیان کرتے رہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی جس کی تقریروں کیلئے لوگ ہزاروں کی تعداد میں دوڑے دوڑے چلے آتے ہوں۔ اس کا دو ایک آدمیوں کے آگے اس مستقل مزاجی سے قرآن سناتے رہنا نفسیاتی اعتبار سے بڑا مشکل کام ہے۔!

ایک مرتبہ تفسیر میں اسی قسم کے اعتراض کو دہراتے ہوئے کہنے لگے۔

"عموماً "بڑے طبقہ" کے لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ ارے نصیب یاور جنگ کے گھر میں تو ہمیشہ گانا بجانا ہوا کرتا تھا۔ آج یہ بہادر خاں کو کیا سوجھی ہے کہ جو قرآن پڑھانے بیٹھا ہے۔ تو میں جواب دیتا ہوں کہ اے میاں جب تک تم لوگوں کے ہاں قرآن خوانی ہوتی تھی، ہمارے ہاں گانا ہوا کرتا تھا۔ اب تم لوگ گانے بجانے لگے ہو تو میں قرآن لئے بیٹھا ہوں۔"

اس پر سب حاضرین بے اختیار ہنس پڑے اور خود مرحوم بھی ہنسی کو ضبط نہ کرسکے۔

درس تفسیر کے لئے مرحوم پوری سادگی کے ساتھ کرتہ اور کشمیری دوپلی ٹوپی پہنے شیخ الہندؒ کا ترجمہ والی حمائل ساتھ لئے مسجد میں پہنچ جاتے تھے۔ کبھی جناح کیپ بھی

---

[1] اس مطلب کو مرحوم اکثر (Loud thinking) کے لفظ سے ادا کرتے تھے۔

پہنتے تھے۔ سردی کے دنوں میں شب خوابی کا لباس جسم پر ہوتا جس پر غالباً اون کا ایک پھولدار جبہ پہنے ہوتے۔ پاؤں میں پمپ شوز ہلکا جوتا یا جوتے کا کاٹا ہوا سلیپر ہوتا نماز خود ہی پڑھاتے اور نماز کے بعد نہایت رقت و صدق دل سے دعائیں مانگتے اور "ربنا اتنا فی الدنیا" والی دعا کی تکرار چار چار پانچ پانچ بار کرتے پھر دعا ختم کرکے بڑی دیر تک سر جھکا کر رہتے اور گڑگڑاتے اس کے بعد کلام پاک کھولا جاتا۔ تلاوت آیت کے بعد اس کا ترجمہ مختلف انداز میں سناتے۔ حتیٰ کہ انگریزی ترجمہ بھی بتا دیتے۔ سامعین کو ہدایت تھی کہ ہر ایک کوئی نہ کوئی مستند ترجمہ والا قرآن اپنے ساتھ رکھے۔ جب خود ترجمہ کرچکتے تو پوچھتے کوئی ترجمہ چھوٹ تو نہیں گیا؟ پھر فرماتے کہ میرے نزدیک یہ ترجمہ زیادہ قابل ترجیح ہے آپ جسے چاہیں اختیار کریں۔ اس کے بعد قواعد کے موٹے موٹے اصول بتا دیئے جاتے لغات کی تشریح ہوتی اور پھر مطالب و مسائل زیر بحث آتے۔ درس میں بڑے بڑے کلامی مسائل حل ہوتے، فلسفہ کی گتھیاں سلجھائی جاتیں۔ فقہ کے نکات بیان کئے جاتے اور عارفانہ باتیں سنائی جاتیں۔ اگر کوئی خاص پتہ کی بات بتانی ہوتی یا کوئی نکتہ بیان کرنا ہوتا تو فرماتے ہے۔

"دیکھو میاں ایک بات بولتوں یاد رکھو اور باندھ رکھو مگر بڑے مولی صاب سے نکّو[1] بولنا"

---

[1] یعنی۔ "دیکھو میاں! ایک بات کہتا ہوں۔ یاد رکھو اور باندھ رکھو مگر بڑے مولوی صاحب سے نہ کہنا"۔ اس فقرے کے الفاظ اور انداز بیان میں مزاحی رنگ پایا جاتا ہے۔ لیکن اس میں ایک امر واقعی پر متنبہ کیا گیا ہے۔ مقصود بیان یہ ہے کہ عام مولوی صاحبان کی ذہنیت اور نفسیات کو دیکھتے ہوئے یہ بات کچھ مناسب نہیں ہے کہ کسی کا حوالہ دے کر (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴ پر دیکھئے)

آیات کو پڑھ کر بار بار وجد کرتے اور فرماتے "اہاہا کیا بات فرمائی گئی ہے"۔ روزانہ بالعموم ایک ہی آیت کی تفسیر ہوسکتی تھی اور بعض دفعہ تو ایک ایک آیت کی تفسیر چار چار یا پانچ پانچ روز تک بیان ہوتی رہتی تھی۔ مثلاً سورۂ فتح کی آیت هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ زیر تفسیر آئی تو صرف "اظہار دین" یعنی دین اسلام کے دیگر ادیان پر غلبہ کی تفسیر پانچ روز تک ہوتی رہی۔ ایک روز تعلیمات اسلام کے غلبہ کا ذکر ہوا۔ دوسرے روز عبادات کا تیسرے روز فرائض و معاملات کا۔ چوتھی نشست میں اخلاقیات کا اور پھر آخری مرتبہ ظاہری غلبہ کی وضاحت کی گئی اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے کہ ہمیں قرآن ختم کرنا ہے ورنہ ابھی فلسفیانہ پہلو رہ گیا اور دوسرے نقاط نظر سے تشریح نہ ہوسکی۔ فرماتے تھے بڑی مشکل ہوتی ہے، قرآن کے حرف حرف کا یہ عالم ہے کہ۔ ع

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست!

اسی طرح بیعت رضوان کا ذکر آیا تو ایک نشست میں تو صرف واقعہ بیعت سنایا گیا اور دوسرے دن عارف رومی رح کے بعض اشعار سے اسکی نہایت بلند اور عارفانہ توضیح کی گئی۔ جب کوئی سورت ختم ہوجاتی تو اس کا مختصر خلاصہ پیش کیا جاتا تاکہ ایک اجمالی مفہوم ذہن میں محفوظ رہے۔ غرض اسی ڈھنگ اور اسی رفتار سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳) ہر قسم کے نکات ان کے سامنے بیان کئے جائیں اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہ ہوگا کہ ان نکتوں پر نکتہ چینی ہوگی اور معقول استدلال کی بجائے خواہ مخواہ انھیں نزاعات واختلافات کا موضوع بنا دیا جائے گا اور اس طرح بات کہیں سے کہیں جا پہنچے گی۔ لہذا مناسب یہی ہے کہ ہر اچھی اور مفید بات اخذ کرلی جائے چاہے وہ جہاں سے ملے لیکن مدرسی علماء کے سامنے بیان کرنے میں احتیاط کی جائے۔

تفسیر بیان ہوتی تھی اس لئے چھ برس میں پورے کلام پاک کی تفسیر بیان کی جاسکی اس درس کی نسبت مرحوم کے ایک سوانح نگار مولوی غلام محمد بی اے نے بالکل صحیح کہا ہے:۔

"وہ جسے نام نہاد علماء، عالم کہتے ہوئے عار محسوس کرتے تھے۔ ایسی جامع و مانع تفسیر سنایا کرتا جو اُن جیسے پیاسوں کے لئے بصیرت کا باعث تھی۔ کاش شریک ہوکر استفادہ کرتے۔ لیکن نفس پرستی کی بیڑیاں تھیں سند کی فصیل حائل تھی۔ انکو توڑنا کوئی آسان بات تو نہ تھی۔"

تفسیر میں جب ایک پارہ ختم ہوجاتا تو بڑی ہی احسان مندی سے اللہ کی جناب میں حمد و ثنا کرتے اور شکر کرتے کہ اُس نے اپنے ایک حقیر بندے سے اتنی تفسیر سنانے کا کام لیا۔ پھر اپنی طرف سے تمام سامعین کی مٹھائی سے تواضع فرماتے مرحوم شرکاء تفسیر کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آتے۔ اکثر فرماتے کہ:۔

اگرچہ ہم سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ لیکن ہمارا یہ بھائی چارہ جو یہاں مسجد میں بنتا ہے بہت پُر خلوص ہوتا ہے کیونکہ اس میں کوئی غرض شامل نہیں ہوتی۔ میرا سگا بھائی جائداد پر لڑے گا لیکن آپ لوگ نہیں لڑیں گے۔ لڑائی جھگڑے، بغض و عناد، حسد لالچ یہ سب لونڈیاں وہیں سڑک پر مسجد سے باہر رک جاتی ہیں اور آپ لوگ خالص و مخلص بن کر مسجد میں آتے ہیں اور اس طرح صحیح دینی آخرت کی بناء پڑتی ہے۔

قرآن شریف پڑھنے اور پڑھانے کے دوران میں شدت تاثر کا یہ عالم ہوتا کہ بے اختیار آنکھیں اشکبار ہوجاتیں بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ ادھر قرآن مجید کی

آیتوں پر ایک نظر ہی پڑی تھی اور اُدھر دل کی کیفیتیں آنکھوں کی زبانی ظاہر ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ دیکھتے ہی دیکھتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ اور جب کافی وقت گزرنے پر بھی قابو نہ حاصل کیا جا سکا تو اسی حالت میں گھر کی راہ لی۔

ایک روز رمضان کے مہینے میں حسب دستور درس کے لئے مسجد میں آئے، آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ آتے ہی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے ادھر نیت باندھی اور ادھر گھگی بندھ گئی۔ بڑی مشکل سے نماز ختم کی۔ تھوڑی دیر تک حسب عادت مراقبہ میں رہے پھر درس شروع ہوا۔ لیکن آنسو برابر جاری تھے جب تک تفسیر سناتے رہے اشکوں کا سیلاب بہتا رہا۔ تفسیر ختم کر کے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے دل کا درد ایک ایک لفظ سے ٹپک رہا تھا۔ دعا ختم کر کے حاضرین کو مخاطب کیا اور صرف اتنا کہا کہ "میاں قرآن پڑھو" ان الفاظ میں معلوم نہیں کیا جادو بھرا ہوا تھا کہ سب کے سب زار و قطار رونے لگے۔ تفسیر ختم کر کے ایسے لاجواب انداز اور اس درجہ خلوص و رقت سے دعا کرتے کہ اسکی قبولیت کا یقین ہو جاتا۔ کہتے کہ ربنا ہمارے قلوب کو تو قرآن کے معانی و مطالب کے لئے کھول دے۔ ہم کو سمجھ کر پڑھنے کی توفیق عطا فرما۔ خدایا ہم کو سیدھے اور غلط راستہ میں امتیاز کرنے کی توفیق دے۔ ہم وہی کریں جو تیرا حکم ہے اور جس پر تیرے نیک بندے چلتے رہے وغیرہ وغیرہ اس کے بعد عربی میں ایک لمبی چوڑی دعا پڑھتے اور منہ پر سیدھا ہاتھ پھیر کر اٹھتے اور السلام علیکم کہہ کر مکان کی طرف چلے جاتے۔

جب چھ سال کی طویل مدت کے بعد قرآن مجید ختم ہو سکا تو مسرت و انبساط کا جو عالم مرحوم پر طاری تھا اسکی کیفیت بیان نہیں کیجا سکتی۔ بس آنکھوں سے آنسو نکلے پڑتے تھے۔ خوشی سے بار بار اللہ تعالٰی کا شکر ادا کرتے جاتے تھے۔ اسی مسرت میں اس روز تمام سامعین کو کھانے پر بھی مدعو کیا اور پر تکلف دعوت

دی۔ باوجود نوکروں کی موجودگی کے خود سربراہی میں مصروف تھے اس موقع پر بعض لوگوں نے پھولوں کے ہار پہنائے تو مرحوم فرمانے لگے :۔

"پہنائیے صاحب! میں آج ضرور پہنوں گا۔ میری زندگی میں انتہائی مسرّت کے دو ہی دن رہے ہیں۔ ایک وہ جبکہ زیارت بیت اللہ سے مشرف کیا گیا تھا اور ایک آج جبکہ اس کے فضل و کرم سے چھ سال تک تفسیر بیان کرتے ہوئے قرآن پاک ختم کر سکا ہوں۔"

ایک صاحب نے عرض کیا۔ "نواب صاحب! یہ سلسلہ جاری رہنا چاہئے۔" مرحوم نے فرمایا :۔

"آپ کو یہ کیسے گمان ہو گیا کہ اب میں یہ سلسلہ ختم کر دوں گا۔ قرآن تو بار بار پڑھنے اور سمجھنے کی چیز ہے۔ اب کی دفعہ اس میں اور زیادہ لطف آئے گا اور انشاء اللہ یہ سلسلہ میری زندگی کے آخری لمحوں تک جاری رہے گا۔"

چنانچہ دوسرے ہی دن سے پھر تفسیر شروع ہوئی اور یوم وفات تک جاری رہی۔ ۳؍ رجب سنہ ۱۳۶۳ھ بروز اتوار آپ کی تفسیر کا آخری دن تھا سورۂ بقر کے چوبیسویں رکوع (پارہ دوم کے آٹھویں رکوع) کی ابتدائی چار آیتوں تک کی تفسیر بیان کی جا چکی تھی۔ آج پانچویں آیت زیر درس تھی وقت مقررہ پر مسجد میں تشریف لائے تو تفسیر سے پہلے کہنے لگے کہ :۔

"آج میں زیادہ تیار نہیں ہوں۔ اور روزانہ جو مطالعہ رات میں کر کے یہاں آتا تھا وہ آج نہیں کر سکا۔ گذشتہ دو راتوں سے سالگرہ[1] کے

---

[1] واضح رہے کہ یکم رجب نظام دکن میر عثمان علی خاں کا یوم پیدائش ہے (بقیہ صفحہ ۱۸ پر دیکھئے)

عشائیوں میں وقت گذرا۔ اور یہ ہماری ایمانی کمزوری ہے کہ ہم کبھی کبھی اللہ کی طرف سے ہٹ کر اس طرح دنیوی کاموں میں لگ جاتے ہیں۔ خدا ہمیں بھلائی کی توفیق دے۔

پھر قرآن کھولا اور یہ آیت تلاوت فرمائی :-

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ [1]

اور ترجمہ کے بعد الفاظ و مطالب کی تشریح فرمانے لگے۔ لفظ فِتْنَةٌ کے متعلق فرمایا کہ اردو میں اس کے معنی شرارت اور خرابی کے لئے جاتے ہیں مگر عربی میں اس کے اصل معنی ہیں "آزمانا اور امتحان کرنا" اور اس مقام پر لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ کے الفاظ کے ساتھ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ کے الفاظ اس حالت کو واضح کرتے ہیں کہ جس کو " فِتْنَةٌ " کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی جب دین اللہ کے لئے نہ ہو۔ کفار برسر اقتدار ہوں۔ کفر کے احکام جاری ہو رہے ہوں اور مسلمان ان کے قہر و غلبہ کی وجہ سے خدا کے احکام پر پوری طرح عمل نہ کر سکتے ہوں تو یہ دراصل فتنہ کی حالت ہے۔ اس حالت کو " فتنہ " اس مناسبت سے کہا گیا ہے کہ فتنہ کا قطعی استیصال کرو اور اس کے قطعی استیصال تک لڑو۔ اس وقت تک لڑو

(بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۷) اس زمانہ میں اس موقع پر سرکاری و غیر سرکاری بڑے پیمانہ پر جلسے منعقد ہوتے تھے اور پارٹیاں دی جاتی تھیں۔

[1] ترجمہ :- اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد اور حکم رہے خدا تعالیٰ ہی کا پھر اگر وہ باز آئیں تو کسی پر زیادتی نہیں۔ مگر ظالموں پر۔" (بالفاظ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ صاحب)

جب تک اللہ کے نام اور احکام کا بول بالا نہ ہو جائے اور اسکی حمایت میں لڑنے والی قوتوں کو کامل غلبہ اور فتح حاصل نہ ہو جائے اس کے بعد اگر وہ باز آ جائیں تو ہاتھ روک لو اور زیادتی نہ کرو اور پناہ میں لو بجز ظالمین کے جن کے خمیر ہی میں شر موجود ہے۔ چنانچہ اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر حضور انور نے فتح مکہ کے بعد تلوار میان میں ڈال دینے والوں، بوڑھوں بچوں، عورتوں اور ابو سفیان کے مکان میں پناہ لینے والوں اور خانہ کعبہ و مسجد حرام میں گھسنے والوں کو پناہ دی۔ بجز پانچ یا چھ ظالمین کے جن کے متعلق حکم تھا کہ اگر وہ کعبہ کے پردوں کو بھی لپیٹ لیں اور حرم میں بھی گھس جائیں تو تب بھی ان کو وہاں قتل کر دو۔

اس سے آگے کی آیات میں چند حرام مہینوں کا ذکر ہے[1]۔ تمہیدی طور پر اسکی تفسیر کرتے ہوئے کہنے لگے کہ :-

عرب میں ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب مقدس مہینے سمجھے جاتے تھے چونکہ ذی الحجہ کے مہینے میں لوگ حج کے لئے دور دور سے آتے تھے اور سفر میں تقریباً ایک مہینہ صرف ہو جاتا تھا اس لئے اس اثناء میں امن کا اعلان کر دیا جاتا تھا۔ اور آپس کی خانہ جنگیاں موقوف کر دی جاتی تھیں۔ اسی طرح محرم کا مہینہ واپس ہونے کے لئے پُر امن بنا دیا جاتا تھا۔ اور رجب کا مہینہ عمرہ کے لئے خاص تھا اس لئے اس مہینے میں بھی جنگ ملتوی کر دی جاتی تھی۔ اور اسی بناء پر ان چار مہینوں کو حرام (یعنی حرمت والے) مہینے کہا جاتا تھا۔ لیکن یہ نالائق عرب اگر کسی سے انتقام لینا یا غارت گری کرنا چاہتے تو حرام مہینوں میں بھی جنگ کا اعلان کر دیتے اور کہتے کہ ہمارے لئے یہ مہینے مقدس نہیں ہیں

---

[1] اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

مقدس مہینے بعد میں آئیں گے۔ جب ہم صلح کر لیں گے یا لڑائی ختم کر دیں گے۔ اس طرح جب چاہتے مہینوں کو اور اُن کی ترتیب ہی کو بدل دیتے۔"

یہاں تک بیان کر کے فرمایا کہ:۔

"آج یہیں تک رہنے دیجئے۔ باقی انشاء اللہ کل بیان کرینگے۔"

لیکن آہ! وہ ایسا آج تھا کہ جس کی کل قیامت اور روزِ جزا ہی ہے۔ یہ بات کس کے خیال میں آسکتی تھی کہ "کل" نمودار تو ہوگا لیکن اس "کل" میں چھپانے والا عندلیب اور اپنی طرز میں بیان کرنے والا مفسرؒ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائے گا اور "کل" نمودار تو ہوگا لیکن ایک عالم کو جانے والے کے غم میں سوگوار دیکھے گا۔

ایک دن پہلے یعنے ہفتہ کے روز بارش ہو رہی تھی اور مرحوم سمیت درس تفسیر میں صرف چار آدمی تھے اس لئے وَقَاتِلُوْهُمْ والی آیت کی تفسیر ختم ہونے کے بعد گذشتہ دو آیتوں کی تفسیر کا خلاصہ بھی بغیر فرمائش بیان کر دیا تاکہ سب لوگ مستفید ہوں اس سے حاضرین بہت خوش ہوئے لیکن یہ کسے معلوم تھا کہ یہ اُن کی آخری تفسیر ہے

گزشتہ دو آیتوں کے الفاظ یہ ہیں۔

"وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" [1]

---

[1] ترجمہ:۔ اور مار ڈالو اُن کو جس جگہ پاؤ اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا اور دین سے بچلانا مار ڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے اور نہ لڑو اُن سے مسجد الحرام کے پاس جب تک کہ وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ۔ پھر وہ خود ہی لڑیں تم سے تو اُن کو مارو۔ یہی ہے سزا کافروں کی۔ پھر اگر وہ باز آئیں تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے"

(بالفاظ شیخ الہندؒ)

ان آیات کے متعلق فرمانے لگے کہ "کتنے کھلے اور صاف احکام ہیں۔ فرمایا ہے کہ جب لڑائی چھیڑ دیں، معاہدہ توڑ دیں اور خود ابتدا کریں تو مار دو ان کو جہاں وہ نظر آئیں اور اگر موقع ہو اور ضرورت محسوس ہو تو ان کو مکہ سے بھی نکال دو جہاں سے تم کو انہوں نے نکالا اور اب بھی نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں اور کیا اچھی بات فرمائی ہے کہ فتنہ قتل سے بُری چیز ہے۔ اگر چند آدمیوں کو قتل کر دیا جائے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں، لیکن "فتنہ" کی وجہ سے بہت سے لوگوں کے قتل ہو جانے کے خطرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اگر وہ فتنہ برپا کریں اور اس فتنہ کو رفع کرنے کے لئے چند آدمیوں کو مسلمان قتل کر دیں تو یہ عین رحمت ہے۔ پھر سر سید کی تفسیر کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ "بعض فتنے ایسے اٹھے تھے کہ مسلمانوں کو "جارحانہ" اقدام کرنا پڑا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو نہ معلوم کتنے بڑے بڑے فتنے اُٹھ کھڑے ہوتے۔" پھر "مسجد حرام" کے معنی بتاتے ہوئے فرمایا کہ کعبہ کی اطراف کی مسجد کو مسجد حرام کہتے ہیں۔ یہ حرمت والی مسجد بھی ہے اور یہاں بعض حلال اور جائز باتیں حرام بھی ہو جاتی ہیں۔ مثلاً شکار کرنا اور عوام الناس کے بقول "جانوروں کے سید" کبوتر تک کو مارنا جو وہاں بہت پایا جاتا ہے۔ گھاس اکھیڑنا وغیرہ۔ اس کے بعد کہنے لگے۔ پھر حکم ہے کہ مسجد حرام میں اپنے ہاتھ کو ابتداء سے روکو لیکن اگر وہ وہاں بھی لڑنے لگیں تو اُن سے وہاں بھی لڑو اور کاٹ ڈالو کیونکہ منکروں کی یہی سزا ہے۔ ہاں اگر کفّار باز آجائیں اور لڑنا بند کر دیں تو اُن سے کہو کہ اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ باری تعالیٰ کے ابرِ کرم سے سرسبز وادیاں اور خشک چٹانیں برابر سیراب آبِ رحمت پاتی ہیں۔ چنانچہ ابوسفیانؓ۔ عکرمہؓ بن ابوجہل۔ ہندہؓ اور وحشی اسی حکم کے تحت معاف کئے گئے۔

تفسیر ختم ہوئی تو ایک صاحب نے مرحوم سے شیعہ سنی مسئلہ پر روشنی ڈالنے کی درخواست کی۔ آپ نے جواب دیا کہ میں واقعات و حقائق اور مختلف لوگوں کی

رائیں بتا سکتا ہوں۔ لیکن آپ یہاں اس مسجد میں میری ذاتی رائے دریافت نہیں کر سکتے۔ یہاں مجھے بالکل غیر جانبدار رہنا پڑے گا۔ اس کے بعد کہنے لگے کہ "شیعہ حضرات حضرت علیؓ کو افضل اور دیگر خلفاء کو غاصب کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ ہمیں کسی کو کسی پر فضیلت دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں صراحت سے فرمایا گیا ہے کہ "میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں"۔ انہیں سے تم جس کسی کی اقتدا کروگے، ہدایت پاؤگے۔ رہا میرا ذاتی خیال تو میں تمام صحابۂ کرام میں حضرت عمرؓ سے زیادہ متاثر ہوں۔ اور مجھے اُن کی طرف خاص کشش ہے۔ بلکہ اُن کے نام ہی سے مجھ پر خاص اثر ہوتا ہے۔ پھر بات کو مختصر کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اب جھگڑوں اور تُو تُو مَیں مَیں سے کیا فائدہ جبکہ جو ہونا تھا ہو گیا۔

مرحوم کا خیال تھا کہ آج سب حاضرین کا نام پوچھیں گے اور ضروری تعارف کرائیں گے۔ اس سے پہلے ایک دن اُنہوں نے فرمایا تھا کہ ہم لوگ ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔ کسی دن آپس میں تعارف کرائیں گے لیکن طبیعت کی ناسازی کے باعث سارے حاضرین سے نام نہ پوچھ سکے۔ صرف ایک شخص سے نام دریافت کیا، اُنہوں نے جواب دیا "تفسیر علی"[1] نام بڑا معنی خیز تھا لیکن کچھ عجیب سا۔ اس لئے

[1] تفسیر علی ادھیڑ عمر کے ایک انتہائی غریب شخص تھے۔ موز (کیلے) بیچا کرتے تھے۔ مسجد ننگے پیر آیا کرتے سب سے پہلے آتے اور نماز روزانہ جماعت کے ساتھ پڑھا کرتے۔ درس تفسیر کے وقت نہایت ادب اور عقیدت سے بیٹھتے تھے اور غالباً تلنگی زبان میں کچھ نوٹ بھی کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی مرحوم سے کوئی سوال بھی کیا کرتے تھے۔ میرے ایک محب صادق جناب صادق احمد صاحب بی اے (حیدرآباد) کا بیان ہے کہ "مرحوم کی وفات پر پندرہ بیس دن گزرے تھے۔ (بقیہ صفحہ ۲۳)

اس پر ایک خفیف سا قہقہہ پڑا اور مرحوم نے بھی سنجیدگی سے تبسم فرمایا۔

ایک صاحب نے کہا کہ ایسے بہت سے نام ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کا نام "محمد عبدالرب العالمین" ہے۔ مرحوم نے سنجیدگی کے ساتھ مسکرا کر کہا "ایک عالمین بڑھا دیا گیا ہے۔ عبدالرب تو ہوا ہی کرتا ہے۔" اس کے بعد دوسروں کا نام پوچھے بغیر سلام علیکم کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُس دن بارش کی وجہ سے مرحوم نے اپنا ہلکا جوتا مسجد کے اندر لا رکھا تھا۔ جب باہر نکلنے لگے تو چپکے سے جوتا ہاتھ میں اُٹھایا اور باہر لے جاکر نیچے ڈال کر پہن لیا۔ میرے ایک دوست کا بیان ہے کہ "میں جوتے کے بالکل قریب تھا لیکن اُس پر میری نظر نہ پڑی جب اُنہوں نے جوتا اُٹھا لیا تو مجھے بڑا افسوس ہوا کہ ہائے اتنا اچھا موقع کھو دیا۔ کاش! میں جوتا لے جاکر باہر رکھ دیتا۔ تاہم میں نے فوراً ارادہ کر لیا کہ آئندہ کسی روز ضرور کوشش کر کے جوتا اُٹھانے کی سعادت حاصل کروں گا۔ مگر آہ! یہ کسے خبر تھی کہ وہ موقع آخری اور بالکل آخری تھا"۔

مسجد کے باہر دو مسکمان طالب علم سامنے آ گئے اور کتابیں طلب کیں۔ مرحوم نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲) میں کالج جا رہا تھا جب رزیڈنسی روڈ سے میرا گذر ہوا تو میری نظر تفسیر علی پر پڑ گئی۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک لکڑی ہیں آگے پیچھے دو ٹوکریاں لٹکائے اور اُن میں کیلے رکھے ہوئے اپنی دُھن میں کچھ آواز سے قرآن حمید کی بعض سورتیں پڑھتے اور ورد کرتے چلے جا رہے تھے۔ یہ دیکھ کر مجھ پر بہت اثر ہوا اور رقت طاری ہو گئی۔ میں نے دل میں کہا کہ جس شخص نے مرحوم کی تفسیر سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا اور عمل کیا وہ یہی ہیں جو اب ننگے پیر ہیں لیکن حلال کی روزی اللہ کی راہ میں کما کر کھاتے ہیں اور جب ہم سب کا تفسیر قیامت کے دن ایک گروہ کی شکل میں گزریں گے تو ہماری صف میں آگے یہی تفسیر علی ہوں گے۔

پوچھا کیا آپ لوگوں کا امتحان ہو گیا؟ کیا پہلی کتابیں واپس کر دیں؟ طالب علموں نے جواب دیا۔ جی ہاں۔ فرمایا۔ چلو میرے ساتھ! کتابیں ضرور ملیں گی —! ارے بھئی یہ بچے بڑے اچھے ہیں۔ پھر حاضرین کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ بچے تو مجھ سے زیادہ قابل ہیں۔" یہ کہہ کر بچوں کو ساتھ لئے گھر کی طرف چلے گئے مگر بارہ پندرہ گھنٹوں کے اندر دنیا ہی سے چلے گئے۔

رَحِمَہُ اللہ وَطَابَ ثَرَاہُ